

ملا عبدالقادر بدایونی

(عہد اکبری کے ایک نامور مؤرخ اور ادیب)

اور ان کی کتاب نجات الرشید

غلام ربانی عزیز

ملا عبدالقادر بدایونی ، اکبری دربار کے ان مشاہیر فضلا سے ہیں ، جنہیں اپنے علم و فضل کی سفارش سے شاہی دربار میں رسائی حاصل ہوئی . اور ہر چند کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کے طور اطوار بدل گئے اور قدیم وضع کے لوگوں کیلئے ایسے نامساعد حالات میں وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا . لیکن اہل غرض کی دراندازیوں کے باوجود ملا صاحب کے وقار میں کوئی فرق نہ آیا . بلکہ جب بھی انہوں نے بادشاہ سے گھر جانے کی رخصت طلب کی ، اکبر کو ان کی غیر حاضری شاق گزری ، اور اگر چار وناچار درخواست کو پذیرائی عطا ہوئی بھی تو ساتھ ہی جلد واپسی کے بارے میں تاکید فرما دی ۔ مگر بارہا ایسا ہوا ، کہ گھر بار اور اہل و عیال کی محبت نے واپسی کا راستہ روک لیا . ادھر سے تقاضے پر تقاضا ہونے لگا . سوچتے ، ٹھیک ہے ، بادشاہ ولی نعمت ہے ، مجھے ان کی خوشنودی مزاج کا ضرور خیال ہونا چاہیئے ، لیکن خویش و اقارب کا اضطراب اور بال بچوں کے آنسو بھی تو نہیں دیکھے جا سکتے . جب دل پر پتھر رکھ کر پھر حاضر دربار ہوتے ، تو چند روز تک عرض و نیاز کی اجازت نہ ملتی ۔ لیکن ان کی کار گذاری کی نوعیت ایسی تھی کہ بادشاہ کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے ، چنانچہ جب بھی کسی

علمی مہم کا موقعہ پیدا ہوتا۔ ملا صاحب کی طلبی ہوتی، اور سابقہ فروگزاشتوں پر قلم عفو کھینچ دیا جاتا۔

ملا صاحب کا خاندان اس عہد کے پڑھے لکھے لوگوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا، والد کا نام ملوک شاہ تھا۔ جو اپنے عہد کے نامور فضلا سے تھے۔ ہونہار فرزند نے شفیق باپ کے دامن تربیت میں رسمی علوم میں دستگاہ بہم پہنچائی۔ لیکن خوبی قسمت سے نرے ملا نہ تھے۔ ادبی ذوق ایسا پایا تھا کہ جو لکھتے، پڑھتے والا عش عش کر اٹھتا۔ مولانا محمد حسین آزاد، جو ملا صاحب سے اس لئے برہم ہیں کہ زمانہ شناسی کے جوہر سے عاری تھے، لکھتے ہیں :

” ان کی تاریخ مضمون و مقصد کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ الماری کے سر پر تاج کی جگہ رکھی جائے “ (۱)

نظم میں بھی قلم لنگ نہ تھا۔ قادری تخلص تھا۔ بعض اوقات اچھا شعر نکال لیتے۔ گانے بجانے کا شوق بھی تھا۔ شطرنج بھی کھیلتے، گویا مرد ہزار شیوہ تھے۔

کچھ عرصہ شیخ مبارک کے حلقہٴ درس میں بھی شامل رہے تھے، اس لحاظ سے ابوالفضل اور فیضی کے ہمدرس تھے۔ ہر چند بعد میں، اختلاف مسلک کی بنا پر باہمی گرم جوشی کی آب و تاب ماند پڑ گئی تھی۔ لیکن ہمدردی اور خیر خواہی کا رشتہ مدۃ العمر قائم رہا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ملا صاحب بہ اجازت وطن آئے، اور بیمار پڑ گئے، ہر چند انہیں واپسی کی جلدی تھی، اور دوست احباب کے خطوط نے تانتا باندھ رکھا تھا، کہ جلد از جلد واپس آؤ، لیکن بیماری نے هلنے نہ دیا۔ بعد از خرابی بسیار حاضر دربار ہونے، طویل توقف کی وجہ بیان کی، اعیان شہر کی تحریری تصدیق اور حکیم کا سرٹیفیکیٹ بھی پیش کیا، لیکن بادشاہ کا ملال دور نہ ہوا، اور حاضری خدمت سے روک دیئے گئے۔ فیضی ان دنوں دکن کی سفارت پر تھے، ہمدرس دیرینہ کی پریشان خاطرگی کا علم ہوا، تو دل بھر آیا۔ چنانچہ بادشاہ

کو ایک عریضہ سفارش لکھا ، ملا صاحب کے علم و فضل ، حسن خدمت اور وابستگی دربار کا ذکر کر کے درگزر کی التماس کی ، بادشاہ بھی اب ٹھنڈا پڑ گیا تھا ۔ قدردان تھا ۔ مقصد انتباہ تھا ۔ وہ پورا ہو چکا تھا ۔ اب منہ بسورنے میں کیا دھرا تھا ۔ چنانچہ خطا معاف ہوئی اور دربار میں آنے جانے کی اجازت مل گئی ، لیجینے ، سفارشی عرضداشت کے کچھ فقرے آپ بھی پڑھ لیجیئے ۔

روشکستہ نوازا ، ملا عبد القادر اہلیت تمام دارد ، و علوم رسمی آنچه ملایان ہند می خوانند ، خوانندہ و پیش ابوی کسب فضیلت کرد ۔ و قریب بہ سی و ہفت سال می شود ، کہ بندہ او را می دانم بافضیلت علمی طرح نظم و سلیقہ انشای عربی و فارسی و چیزی از نجوم ہندی و حساب ۔ یاد داشت ، درہمہ وادی و وقوف در نغمہ ولایت و ہندی و خبری از شطرنج صغیر و کبیر کردہ ۔ باوجود بہرہ مند بودن از ہمہ فضائل ، بہ بی طمعی و قناعت و کم تردد نمودن و راستی و درستی و ادب اخلاص و عقیدت بدرگاہ بادشاہی موصوف است « (۷)

ترجمہ :

(شکستہ نوازا - ملا عبدالقادر بڑی اہلیتوں کے مالک ہیں ، اور تمام وہ علوم جو ہندوستان کے علماء پڑھتے آئے ہیں ، انہوں نے بھی پڑھے ہیں - اور میرے والد کے حلقہٴ درس میں شامل تھے - میں انہیں گزشتہ ۳۷ برس سے جانتا ہوں - علمی فضائل کے ساتھ - نظم کہنے ، فارسی اور عربی نثر نویسی کے علاوہ جوتش اور حساب میں بھی صاحب استعداد ہیں - نیز ایرانی اور ہندوستانی موسیقی اور شطرنج کبیر و صغیر ہر دو کے رموز و غوامض کو جانتے ہیں - باوجود ان اوصاف مذکورہ کے وہ لالچ سے پاک ہیں ، مزاج میں قناعت ہے ، معاملات دنیا سے بے اعتنا سے ہیں ، اور راستی ، درستی عمل اور ادب ، آداب سے واقف ہیں - اور سب سے بڑھ کر یہ انہیں ذات

ہمایونی سے عقیدت اور اخلاص ہے۔

اس مبنی بر اخلاص درخواست کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے ، کہ باوجود اس ذہنی بُعد کے ، جس کا بیج اکبر کے دین الہی نے بویا تھا ۔ معاشرتی موالات کا سلسلہ اور دیرینہ رفاقت کا رشتہ علیٰ حالہ قائم تھا ، ورنہ فیضی کو کیا پڑی تھی ، کہ اتنے دور و دراز مقام سے اس بھٹے میں ٹانگ اڑاتا۔ ملائے بدایونی ان لوگوں سے تھے ، جو اکبر کی اسلام دشمن روش سے بیزار اور ان ہمرہان غلط اندیش کے خلاف ، جو اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے ، سراپا احتجاج تھے ، شیوہ ابنائے روزگار ہے ، کہ پسند و ناپسند پر ہزار پہرے بٹھائیں ۔ دل کی بات زبان پر آ ہی جاتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ ملا صاحب بھی جو کچھ سوچتے ہونگے ، خلوت و جلوت میں اس کا اظہار ضرور ہوتا ہوگا۔ اور فتنہ پسند طبیعتیں نمک مرچ لگا کر بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہونگی ۔ اکبر سنتا ہوگا ۔ تو تلملا اٹھتا ہوگا ، لیکن ان کی علمی خدمات کا حسین مرقع شفیع بن کر سامنے آ جاتا ہوگا اور جذبہ معارف پروری بادشاہ کو بے بس بنا دیتا ہوگا ۔

جب تک دربار کی فضا میں مذہب کا طوطی بولتا رہا ، علما کی پانچوں گہی میں تھیں ۔ بادشاہ ناتجربہ کار اور خام ذہن تھا ۔ گویا جاہ پرست علما کے ہاتھوں میں موم کی ناک تھا ، جدھر چاہتے مروڑ دیتے ، ان دنوں دربار کا معمول تھا کہ اکثر مذہبی مسائل پر مباحثے ہوتے اور عاقبت نا اندیش علما ہیکڑی جتانے اور مقابل کو ذلیل کرنے کی خاطر جو منہ میں آتا کہہ دیتے ، بادشاہ اس باب میں لاشے محض تھا ۔ گونگا بنا سنا کرتا ۔ جب رفتہ رفتہ نوبت نقل سے عقل تک پہنچی تو اکبر کو بھی اظہار رائے کا موقعہ ملتا ۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ اس میدان میں ” ظل الہی “ کا پلہ بھاری رہتا ۔ اور علما جھینپ کر خاموش ہو جاتے ۔

اکبر کو تخت نشین ہونے پندرہ برس ہو چکے تھے ، اس اثنا میں اس کے

مشاہدے نے اسے جاہ طلب علما سے متنفر کر دیا تھا۔ چونکہ ان پڑھ تھا۔ اور مبادیات اسلام سے قطعاً نابلد، مناظرین کی باہمی نوک جھونک میں، لاعلمی اس کی زبان پر تالا لگا دیتی، علما کی زبان درازی اور اپنی بے بسی پر کڑھتا۔ چنانچہ اس احساس نے اس کے دل میں اسلام کے خلاف بلا کی نفرت بھر دی اور آخر وہ دن آ گیا کہ بادشاہ کے بے پناہ جذبہ انتقام نے مذہب کو دیس نکالا دے دیا۔ اگر اکبر کی نفسیات کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے، تو صاف دکھائی دیتا ہے، کہ اسلام کے خلاف اس کا سارا عناد اسی نامبارک جذبے کی کارستانی تھا جو گزشتہ پندرہ برس سے اس کے دل کی گہرائیوں میں پرورش پا رہا تھا۔ وہ علما کے قال اقول کو سمجھنے کی استعداد سے محروم تھا۔ علمی مناظروں میں بت بنا بیٹھا رہتا، اور جوں جوں اپنی علمی بے بضاعتی پر غور کرتا، احساس کمتری کی دھار تیز تر ہوتی جاتی اور یوں اس کا دماغ اس ادھیڑ بن میں لگ جاتا، کہ کیونکر کوئی ایسی سیبل پیدا ہو کہ اسے اس ذہنی کوفت سے جس نے اس کے سکون قلب کو غارت کر رکھا ہے، نجات حاصل ہو۔ اس لحاظ سے دین الہی کی بدعت اس کی اپنی شکست خوردہ ذہنیت کی حیلہ گری اور طبیعت کی کرشمہ سازی تھی۔ گویا جس دین کے علمی مباحثوں کو سمجھنے کی اہلیت سے وہ عاری تھا اس دین کو اس کی قلمرو میں رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ یار لوگوں کو اور کچھ نہ سوجھی تو ابوالفضل اور فیضی کو ہدف بنا لیا۔ حالانکہ وہ تو صرف بادشاہ وقت کی ہاں میں ہاں ملانے کے گنہگار تھے، اور یہ وہ قصور تھا جس میں اکثر و بیشتر امرا اور علما ملوث ہو چکے تھے، اسے کہتے ہیں، طویلے کی بلا، بندر کے سر تعظیمی سجدہ، اکبری انتقام کی انتہائی گھناؤنی شکل تھا جو دین الہی اکبر شاہی میں داخلے کی لازمی شرط تھی۔ چنانچہ ڈھلمل یقین علما کی ایک اچھی خاصی تعداد، جو معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی تکفیر پر اتر آئے، اسلام سے قطع تعلق کر کے اکبری رعونت کے

سامنے سجدہ ریز ہو گئی ، جس سے اس کی مجروح انانیت کو بڑی مسرت ہوتی ۔ ملا عبدالقادر اور اس قماش کے کچھ اور لوگ مغنمات سے تھے ، اگرچہ اس طوفان کفر ولادینی کے آگے بند باندھنا ، جب کہ آوے کا آوا بگڑ چکا ہو ان کے بس کی بات نہیں تھی ۔ لیکن ان کی استقامت سے ، عوام کی ڈھارس بندھ جاتی کہ کفر کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں وہ روشنی کی ایک کسرن تھے ، ایک دفعہ ملا صاحب برائے رخصت حاضر ہوئے ، بادشاہ رضا مند نہ تھا ، خواجہ نظام الدین نے بھی سفارش کی ، بصد مشکل اجازت ملی تو صدر جہاں نے دو دفعہ کہا ، .. سجدہ کن ، ، ، لیکن ان سے نہ ہو سکا ، یہ خود تو بے مزا ہوئے ہی تھے ، انکار سے بادشاہ کو بھی بدمزہ کر دیا ۔ حق یہ ہے ، کہ ایسے نازک موقع پر ثابت قدمی دکھانا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے ، اور اس امتحان میں صرف وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جسے خدا پر کامل یقین ہو اور اس کی رضا کی خاطر جان پر کھیل جانے سے دریغ نہ کرے ۔

اکبر کے عہد تک یہ دستور چلا آ رہا تھا ۔ کہ مسلمان سلاطین ، دین کے کسٹوڈین شمار ہوتے تھے ، نتیجتاً مسلمان عوام کی زندگی میں اسلام کی ایک جھلک ہر جگہ دیکھی جا سکتی تھی ، جب اکبر کی بے دینی کے صدقے میں دربار کا چلن بگڑا ، تو ہندوؤں نے ، جو بھرے بیٹھے تھے ، موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ، دست درازی اور تشدد پر اتر آئے اور مار دھاڑ کر مظاہرے روز مرہ کا معمول بن گئے ، مسجدیں اجڑنے لگیں ، قرآن پڑھنا اور اذان دینا ممنوع قرار پایا ، یہ سلسلہ اتنا پھیلا ، کہ مسلمان امرا نے بچوں کا ختنہ کرانا چھوڑ دیا ، اور مرنے جینے کے سارے نقشے نے ہندوانہ چادر اوڑھ لی ، ہر بات پر مسلمانوں کی بھد اڑائی جاتی تاکہ احساس کمتری کا شکار ہو کر اسلام سے رشتہ توڑ لیں ۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ، کہ چیرہ دستوں نے ، مسلمان عورتوں کو زبردستی گھروں میں ڈال لیا ۔ ان بچاروں میں اتنی سکت

نہ رہ گئی تھی کہ دم ماز سکیں ، گویا اس گھر کو گھر کے چراغ نے جلا کر بہسم کر دیا تھا ۔ ہمارا اندازہ ہے ، کہ ان ہی ناگفتنی حالات نے ، ملا صاحب کی مسلمی غیرت میں تحریک پیدا کی ۔ اور ان کے سحر نگار قلم نے اس کتاب کو جنم دیا اگرچہ خود ملا صاحب کی اپنی تصریح کے مطابق ، جو درج ذیل ہے ۔ اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی ۔ لیکن مولانا آزاد اس باب میں ہمارے ہم نوا ہیں : ملا صاحب لکھتے ہیں :

” یکی از اصحاب رفعت و ارباب مکتت لایزال کاسمہ (۴) نظام الدین احمد ، کہ صورتش لطف مجسم و حقیر را رسم اخلاص باو مستحکم بود ، طوماری داد مشتمل بر ایراد عیوب دل و آفات نفس از قلیل و کثیر و محستوی بر بعضی از افراد گناہان صغیرہ و کبیرہ ، و فرمود کہ چون ذکر این جرائم و کبائر ذمائم کہ دانستن آن از عظیم عزایم است ، اینجا بر سبیل اجمال است ، بہ تفصیل و دلیل باید کہ پارہ دیگر اضافہ ساختہ منشا و مآخذ آن ہا را درمیان ایجاز مغل و اطناب ممل بیان کنی ، تا شاید کہ این جمع موجب نفع تام برائی عام شود ، و حق سبحانہ بآن واسطہ اجتناب از امور ناصواب روزی فرماید ۔“

(ترجمہ)

بادشاہ کے رفیع المرتبت اور ذی اقتدار مقربین میں سے ایک صاحب نے ، جو اپنے نام (نظام الدین احمد) کی طرح غیر فانی اوصاف کے مالک ہیں ، اور جن کی ذات سراپا خلوص ہے ۔ اور مجھے جن کی ذات سے اخلاص اور عقیدت ہے (ایک دفعہ چند اوراق عطا فرمائے ، جن میں دل کی بیماریوں اور نفس کی چھوٹی بڑی خرابیوں کا ذکر تھا ۔ اور بعض صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا تذکرہ تھا ، مجھ سے کہنے لگے ، چونکہ ان جرائم اور برائیوں کا ذکر ، جن سے واقفیت از بس اہم ہے ۔ ان اوراق میں بالاجمال ہوا ہے ، اسی لئے آپ کو چاہئے ، کہ آپ اسے ذرا تفصیل سے ، بیان کر کے دلائل

و براہین سے اس کی توثیق فرمائیں۔ اور ان کے ماخذ اور منابع ایسے انداز سے بیان کریں ، کہ نہ تو وہ اتنا مختصر ہو ، کہ وضاحت مطلب سے قاصر رہے اور نہ اتنا مفصل ہو کہ پڑھنے والا اکتا جائے ۔ ممکن ہے ، یہ مجموعہ عوام کے لئے باعث خیر و برکت ہو ، اور اس وسیلے سے ہم برے کاموں کے ارتکاب سے بچ جائیں بفضلہ و منہ ۔

اس کے بارے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں :

یہ مصنفوں کے معمولی بہانے ہیں در حقیقت کتاب مذکور میں ان مسائل کی تفصیل ہے ، جو ان دنوں علمائے دین دار اور اکبری دربار میں اختلافی شمار ہوتے تھے (۳)

مطالب کتاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے ، کہ فاضل مصنف نے اسلامی معاشرے کے ایک ایک پہلو پر بالتفصیل بحث کی ہے ۔ اور کوئی معمولی سے معمولی بات بھی ایسی نہیں جس پر انہوں نے اظہار خیال نہ کیا ہو : مثلاً

فصل اول در گناہان کبیرہ ، جن میں شہادت دروغ (جھوٹی گواہی) ، سوگند دروغ (جھوٹی قسم) ، ترک صلوٰۃ (نماز نہ پڑھنا) اور ترک زکوٰۃ (زکات نہ دینا) بھی شامل ہیں ۔

فصل دوم در کبائر منجر بہ کفر (وہ کبیرہ گناہ جو کفر تک لے جاتے ہیں) اس میں چوٹی ، موٹی چالیس ذیلی فصلیں ہیں ، جن میں مندرجہ ذیل امور بھی مندرج ہیں :

- ۱۔ کاہن را باور داشتن (کاہن کی بات ماننا) ۲۔ غلو در علم فلسفہ کردن (حصول علم فلسفہ میں حد سے بڑھنا) ۳۔ کافران را راز دار ساختن (کافروں کو راز دار بنانا) ۴ عادت کسفا ربجا آوردن (کفار کی عادتیں اپنانا)
- ۵۔ کتب پیشینیان خواندن (پہلے لوگوں کی کتابیں پڑھنا) ۶۔
- سب دھر کردن (زمانے کو برا بھلا کہنا) ۷۔ تعظیم اہل بدعت (بدعتیوں کی عزت کرنا) ۸۔ ناسپاسی منعم (خدا کی ناشکری) ۹۔ غلو در مسئلہ قضا و

قدر (مسئلہ تقدیر پر غیر ضروری بحث) ۱۰۔ استہزائے مسلمانان (مسلمانوں سے تمسخر) ۱۱۔ بسم اللہ بر حرام خواندن (حرام چیز پر بسم اللہ پڑھنا) ۱۲۔ معنی قرآن بر علم گفتنی (بغیر از علم قرآن کے معنی بیان کرنا)

فصل سوم ، اس فصل میں بھی چالیس ذیلی فصلیں ہیں ۔ جو احکام شرعیہ کی عدم پابندی سے شروع ہو کر مردگان را دشنام دادن پر ختم ہوتی ہیں ، ابتدائی پانچ فصلوں میں احکام شرعیہ سے عدم مبالغت کا ذکر ہے ، بعدہ اخلاقی عیوب کا شمار ہے جو قمار بازی اور راہ زنی سے لے کر چاپلوسی ، غیبت ، بدگمانی اور رشوت خوری وغیرہ افعال پر مشتمل ہیں ۔

فصل چہارم حقوق اللہ کے بارے میں ہے ، اس میں بھی چالیس ذیلی فصلیں ہیں ، جن میں روزمرہ کے معمولات کا ذکر ہے ، مشاء برہنہ بہ حمام در آمدن (حمام میں ننگے داخل ہونا) در سوراخ بول کردن (سوراخ میں پیشاب کرنا) درخت سایہ دار را بریدن (سایہ دار درخت کو کاٹنا) ، تاخیر در ادائیگی قرض (قرض ادا کرنے میں دیر کرنا) شگون گرفتن (فال لینا) بہ پدران فخر کردن (نسب پر فخر کرنا) اور جزع و فزع وغیرہ ۔

فصل پنجم میں ان جرائم کا ذکر ہے ، جو منافی مروت ہیں ۔ یہ فہرست بھی چالیس ذیلی فصلوں پر مشتمل ہے ، جن میں مندرجہ ذیل عنوان بھی شامل ہیں :

- ۱ ناخن دراز گذاشتن (ناخن بڑھانا) ۲ ریش تراشیدن (ڈاڑھی مٹانا)
- ۳ ابرو تراشیدن (بھویں صاف کر دینا) ۴ مسواک ترک کردن (مسواک نہ کرنا)
- ۵ جامہ ابریشم پوشیدن (ریشمی کپڑے پہننا) ۶ شراب کشیدن (شراب کشید کرنا) ۷ نرد باختن (چوسر کھیلنا) ۸ حیلہ آموزی (مکر و فریب)
- ۹ سیرود از زن بیگانہ شنیدن (غیر محرم عورت کا راگ یا گانا سننا)
- ۱۰ بستن شارع عام (شاہراہ کو روک دینا) ۱۱ زدن زیردستان (کمزوروں کو ستانا) ۱۲ رنجانیدن ہمسایہ (ہمسایے کو دکھ دینا)

فصل ششم در جرائم دیگر، اس کے ذیلی فصول کی تعداد بھی چالیس ہے۔ ان جرائم کی فہرست میں امور ذیل بھی مذکور ہیں :

۱ پیران را اہانت کردن (بوڑھوں کی توہین) ۲ طفلان را زدن (بچوں کو پیشنا) ۳ سائل را زجر کردن (منگتے کو دھتکارنا) ۴ فحش گفتن (گالی بکنا) ۵ ترک دوستی کردن (تعلقات دوستی ختم کر دینا) ۶ دربروی فقیر بستن (فقیر کو آتا دیکھ کر دروازہ بند کرنا) ۷ فقیر را رنجانیدن (فقیر کو دکھ دینا) ۸ پلیدی در راہ انداختن (راہ میں غلاظت پھینکنا)

فصل ہفتم در بیان چہل خطاہائی کہ جملہ تقصیراتست ، اس فصل میں بھی چالیس ذیلی فصلیں ہیں۔ ان فصول میں بعض ایسے عنوان بھی ہیں ، جن کا نام تو مصنف نے لکھ دیا ، لیکن بحث نہیں کی ، چنانچہ خود لکھتے ہیں :

« و چون عجالۃ اکثر درسفر نوشتہ شدہ و کتابہا در نظر بنود اگر بعضی را دلیل مذکور نہ شود ، معذور باید داشت ، و اگر ناظران بہ درج ساختن آن ممنون سازند ، ان اللہ لا یضع اجر المحسنین »

(ترجمہ)

اور چونکہ یہ اوراق (کتاب) دوران سفر میں جلدی میں لکھے گئے ہیں ، اور کوئی کتاب پیش نظر نہ تھی ، اگر کسی بات کی دلیل بیان نہیں ہو سکی ، تو معذور سمجھا جائے ، اور اگر ناظرین (قاری) حضرات ان دلائل کا ذکر فرما دیں ، تو عند اللہ ماجور ہونگے۔

خاتمہ در توبہ و قبول آن ، اس میں اولاً صوفیا کے چند طائفوں کا ذکر کر کے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائنداری پر کم و بیش سولہ تمثیلات بیان کی ہیں ، اور مختلف حکایات بیان کر کے مفید مطلب نتائج اخذ کئے ہیں۔

مصنف کا طریق بحث یہ ہے ، کہ اولاً وہ بہ شرط ضرورت زیر بحث عنوان کی تعریف بیان کر کے اس کی وضاحت کرتے ہیں ، پھر قرآن کریم کی

آیات اور رسول کریمؐ کی احادیث لا کر اس پر عمل پیرا ہونے یا اس سے اجتناب کی تاکید کرتے ہیں ، اور چونکہ انہیں قرآن اور حدیث پر پورا پورا عبور حاصل ہے ، اس لئے وہ ہر عنوان کے تحت موزوں آیات اور احادیث درج کرتے جاتے ہیں ، اور جہاں ضرورت پڑتی ہے ، بہ غرض مزید وضاحت ، سلف صالحین کے اقوال نیز تمثیلات اور حکایات سے بھی امداد لیتے ہیں ، فاضل مصنف نے اس باب میں اتنا اہتمام کیا ہے ، کہ اسلامی اوامرو نواہی میں سے کوئی بات بھی ان کی نظر سے اوجھل نہیں رہ سکی ، بلکہ اگر یہ کہا جائے ، کہ ان اوراق میں انہوں نے اسلامی معاشرے کے مالہ و معالیہ کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے ، تو اس میں ذرا مبالغہ نہ ہو گا .

مزید براں ہندوستانی معاشرے کے ایسے آداب جہنیں اسلامی زاویہ نگاہ سے مستحسن نہیں سمجھا جاتا ، فاضل مصنف نے ان پر اپنی طرف سے معقول دلائل پیش کر کے حقیقت کو دل نشین کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس اہتمام سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے ، کہ ملا صاحب کو اس تصنیف کی تسوید کے دوران میں تصنیفی ذمہ داری کا کتنا شدید احساس تھا۔ چنانچہ بعض اوقات وضاحت عنوان کے لئے ایسی ایسی لذید حکایتیں لکھ جاتے ہیں۔ کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے ، مثلاً سیرو پیاز خام خوردن کے ذیل میں لکھتے ہیں :

” می گویند کہ روزی قدوة العارفين ختم خلفائي خواجگان نقشبنديه به خدمت مولانا زين الدين بهدائى قدس الله ارواحهم طعامى مى كشيدند ، كه درآن سيرو پياز بود ، يكي از محتسبان قندهار كه درتعصب وتزهديگانه روزگار بود ، از اخوند پرسيد ، كه پيغمبر عليه السلام سيرو پياز خورده اند ، در بديبه فرمودند كه روزى پيغمبر شوى تو هم نه خورى“

(ترجمہ)

(کہتے ہیں ، ایک دفعہ امام العارفين ، خواجگان نقشبندي کے آخری

خلیفہ ، مولانا زین الدین بہدائی کی خانقاہ میں دعوت طعام میں شریک تھے ، اور دسترخوان پر پیاز اور لہسن پڑا ہوا تھا ، قندھار کا ایک محتسب بھی جسے زاہد خشک کہنا چاہیئے اس دعوت میں شریک تھا۔ اس نے امام العارفین سے دریافت کیا ، کہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لہسن یا پیاز کھائی تھی۔ حضرت خواجہ نے بلا تامل فرمایا۔ جس دن تمہیں پیغمبری مل گئی ، تم بھی نہ کھانا۔

ذرا آگے چل کر امامت قومی بی رضای ایشاں ، کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں : (عوام کی رضا مندی کے بغیر امام بننا)

ۛ نقل است ، کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ می فرمود ، من می خواہم ، کہ دو اسپ تیز دو ہمیشہ بر در من بستہ باشند تا بریکی سوار شوم و از جانی کہ مرا بہ امامت خوانند زود تر بگریزم۔ و بر دیگری بجائی کہ برائی اذان گفتن مرا طلبند خود را برسانم

(ترجمہ)

(منقول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے ، میری خواہش ہے ، کہ دو تیز رفتار گھوڑے ہمیشہ میرے دروازے پر بندھے رہیں۔ تاکہ جہاں مجھے امامت کے لئے بلائیں ، میں ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً وہاں سے دور بھاگ جاؤں۔ اور جہاں مجھے اذان کہنے کو بلائیں دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر جھٹ وہاں جا پہنچوں۔)

ایک عنوان ہے ، ریش بافتن بہ مروارید و امثال آن اس سلسلے میں لکھتے ہیں : ڈاڑھی کے بالوں میں مروارید اور موتی پرونا)

آوردہ اند ، کہ در زمانی کہ موسی علیہ السلام سوئی طور بہ مناجات می رفت ، زاہدی آمدہ نزد او نالید و گفت ، مدت ہفتاد سال است ، کہ بہ عبادت و ریاضت مشغولم ، در کار من ہیچ کشایشی نمی شود ، نمی دانم کہ این سد باب نتیجہ کدام فعل شوم من است ، چون موسی علیہ

السلام از جانب او بدرگاہ کبریا این التماس نمود . فرمان آمد کہ وی را بگو ، کہ تو ہمیشہ بہ ریش خود در ماندہ ای و بہ آراستن آن مقیدی ، کاریکہ برائی ما کردہ باشی ، کجاست ، زاهد این جواب از رب الازباب شنید و او بہ کندن ریش شب و روز مشغول شد ، باز جواب شنید . کہ ہمہ سروکارت بہ ریش افتادہ ، وما از تو ناراضی ایم .

(ترجمہ)

(کہتے ہیں ، کہ جن ایام میں موسیٰ علیہ السلام دعا و مناجات کیلئے کوہ طور کو جا رہے تھے . ایک راہب ان سے ملنے آیا ، اور رو کر کہنے لگا کہ میں گزشتہ ستر سال سے عبادت اور ریاضت میں مشغول چلا آ رہا ہوں . لیکن میری مشکل ہے ، کہ حل ہی نہیں ہوتی . نہ معلوم در رحمت کی بندش میری کس کوتاہی کی سزا ہے ۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں یہ درخواست پیش کی تو ادھر سے فرمان نازل ہو ۔ اسے کہہ دو ، تو ہر وقت اپنی ڈاڑھی کے بنانے سنوارنے میں لگا رہتا ہے ، بتا تو سہی ، کہ تونے ہماری خوشنودی کے لئے کون سا کام کیا ہے ۔ جب راہب کو اس کا علم ہوا ، تو اس نے ڈاڑھی کو نوچنا شروع کر دیا ، اور دن ہو کہ رات ، اس کام میں مصروف رہتا ۔ اس اثنا میں پھر ادھر سے ندا آئی ۔ اب بھی تو اپنے پرانے شغل سے باز نہیں آیا ہم تجھ سے اب بھی اسی طرح ناخوش ہیں)

ناسپاسی منعم کے عنوان کے تحت حضرت جنید بغدادی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں .

» نقل است ، کہ یکی از سید الطائفہ جنید قدس اللہ روحہ را پرسید ، کہ اگر کسی بگوید ، کہ ہمہ حرکات و سکنات من از حق است ، چنانچہ حرکت آستین از دست یا حرکت برگ گاہ از باد ، تو چہ می گوئی ؟ فرمود ، اگر گویندہ مقید بہ احکام شریعت است ، موحدی است پاک ، و اگر باین سخن حیلة لذت جوید ، ملحدی است بی باک «

(ترجمہ)

(روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت جنید بغدادی سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی تمام حرکات و سکنات کا سرچشمہ ذات باری ہے، مثلاً آستین کی حرکت جو جنبش دست سے پیدا ہوتی ہے یا گھاس کے تنکے کی لرزش بھی جس کا سبب ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: اگر ایسا شخص احکام شرع کا پابند ہے تو میری نگاہوں میں وہ موحد پاک باز ہے اور اگر وہ گفتگو میں لطف پیدا کرنے کیلئے فلسفہ بگھار رہا ہے تو ایسے شخص کو میں ملحد برے باک کہوں گا)۔

اب ایک واقعہ شبلی بغدادی رحمہ اللہ کا بھی سن لیجئے :

شبلی رحمہ اللہ می گوید ، کہ چون منصور حسین حلاج را آن واقعہ دست داد ، مرا در آن شب خواب نہ برد ، و مناجات کردم کہ خداوندا منصور دوست از دوستان تو بود ، اورا بہ این خواری چون روا داشتی ، آوازی شنیدم ، کہ اورا برسریکی از اسرار خود مطلع ساختم ، نتوانست او را نگاہ داشت ، سزائی خود یافت ..

(ترجمہ)

(شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے ، کہ جب منصور بن حسین حلاج کو وہ درد ناک واقعہ پیش آیا تو میں رات بھر نہ سو سکا۔ اور جناب باری میں مصروف مناجات رہا ، بار الہا ، منصور تو تیرا فدائی تھا ، تو نے اسے کیوں رسوا کیا ، ندا آئی ہم نے اسے اپنا ایک راز بتایا تھا ، جسے وہ چھپا نہ سکا۔ یہی اس کی سزا تھی)

ان حکایات سے بہ آسانی اس امر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ، کہ فاضل مصنف نے انسانی فطرت کی اعجوبہ پسندی کے پیش نظر کتنا عمدہ انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ ان حکایات کے ذکر سے جہاں موضوع کی وضاحت ہوتی ہے ، وہاں کتاب کی دل چسپی اور افادیت میں بھی کئی گنا اضافہ ہو جاتا

ہے۔ مصنف نے مختلف عنوانات کے تحت کسم و بیش ہونے دو سو حکایات بیان کی ہیں، جو حد درجہ دل چسپ اور سبق آموز ہیں، اور چونکہ کتاب کا موضوع مذہب اور اخلاق ہے، ظاہر ہے، کہ ہر آدمی کو ان سے لگاؤ مشکل ہے لیکن ان دل چسپ حکایات کی وجہ سے موضوع کی بیوست کا احساس تک نہیں ہوتا۔

اب ہم ملا صاحب کی اس تصنیف کی لفظی اور معنوی خوبیوں کے بارے میں ذرا تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

ملا عبدالقادر اکبری عہد کے مشہور وقائع نویس اور بے لاگ مورخ ہیں، وہ عمر بھر دربار سے منسلک رہے، ہر چند اختلاف نظریات سے دلسوں میں دوری پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن چونکہ بادشاہ ان کی علمی خدمات کا دل سے مداح تھا۔ اس لئے باوجود خواہش کے وہ دربار سے علیحدہ نہ ہو سکے، جو اس امر کا بین ثبوت ہے، کہ دوست، دشمن کو ان کی قابلیت کا اعتراف تھا۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں :

” ان کے جواہر معانی، صفائی بیان کے ورقوں میں جگمگاتے، فاضل مذکور میں بڑی خوبی یہ ہے، کہ ہر شخص کے خصائل اور جزوی جزوی عادات اور اطوار کو سمجھتے ہیں، اور اس خوبی سے بیان کرتے ہیں، کہ جب پڑھو، نیا لطف حاصل ہوتا ہے، اصل بات یہ ہے، کہ طرز تحریر کا بھی اک ڈھب ہے یہ خوبی ان کے قلم میں خدا داد تھی “

(نوٹ۔ یہ ٹکڑے متفرق مقامات سے لئے گئے ہیں)

سادہ گوئی اور آسان نگاری کے وصف میں ملا عبدالقادر اپنے دو قابل احترام اور فاضل معاصرین علامہ ابو الفضل اور خواجہ نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری سے کسی لحاظ سے پیچھے نہیں۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو ابو الفضل اپنی دقت پسندی اور مشکل نویسی کی وجہ

سے ایک ہوا دکھائی دیتے ہیں ، بہتر معلوم ہوتا ہے ۔ کہ آپ ان کے بارے میں مولانا آزاد کی رائے پڑھ لیں :

” شیخ انشا پردازی کا بادشاہ تھا ۔ مضامین کا ہجوم ، عبارت کا جوش و خروش ، لفظوں کی دھوم دھام ، کلمات مترادف کی بہتات ، ہر واقعہ کے ساتھ اس کی دلیل و برہان ، کئی کئی کاف بیانیہ ، جملے معترضے ، فقرے پر فقرہ چڑھتا چلا آتا ہے ، کہ کمان کیانی ہے ، کہ کھچتی ہی چلی جاتی ہے “ (۳)

ظاہر ہے ، جو انشا ان خصوصیات کی حامی ہو گی ، آپ اسے خاصے کی چیز تو کہہ سکتے ہیں ، جسے ہر عالم و فاضل آدمی اپنے کتابخانے کی زینت خیال کریگا ۔ لیکن عام پڑھے لکھے لوگوں کو اس کے نام سے وحشت ہو گی ، اول تو کوئی اس کے پاس بھی نہیں پھٹکیگا ، اور اگر کسی نے جرأت کی بھی ، تو جلد ہی اس بھاری پتھر کو چوم کر رکھ دیگا ۔ انشائے ابو الفضل کو اٹھا کر دیکھنے ، الفاظ پرے باندھے چلے آ رہے ہیں ، استعارہ اور تشبیہ کی وہ بھر مار ہے کہ آدمی اکتا جاتا ہے لیجئے ہم ذیل میں اکبر نامہ کی چند سطریں بہ غرض وضاحت پیش کرتے ہیں :

” شہر یار معدلت دوست ، در حواشی دیبال پور ، عبارت نشاء تجرد و تعلق را در نقاب شکار بہ تقدیم رسانیدہ ، صورت را بہ معنی مزاج یکتائی می بخشد ، و ظاہر را پایہ باطن میدہد ۔ گلبانگ اعتدال ربیعی چہرہ افروز انبساط آمد ، نشاط را بارگاہ فراخ زدند و ہنگامہ بخشش رونق دیگر پذیرفت ، شب دو شنبہ فروغ افزائی نورستان ایزدی ، پر تو خرمی بہ حمل انداخت ، مناظر صورت را رنگ آمیزی مطالع انوار حقیقت در گرفت “

(ترجمہ)

(عدالت پسند بادشاہ نے تجرد (از خلق) اور تعلق (باللہ) کی قلبی

کیفیت کو ظاہری لباس میں جلوہ گر کرنے کو نواح دیپالپور میں شکار کھیلنے کی غرض سے نزول اجلال فرمایا ، اور صورت و معنی کو ملا کر یک جان کر دیا ، اور ظاہر کو لباس باطن عطا فرمایا ۔ اس واقعہ پر موسم بہار کے اعتدال سے ، مسرت کا چہرہ تمنا اٹھا ، اور خوشیوں کا خیمہ اور زیادہ وسیع و عریض ہو گیا اور ہنگامہ جود و سخا کی رونق کئی گنا بڑھ گئی ۔ سوموار کی رات کو خدائی چاندنی چوک کو رونق عطا کرنے والی چاند نے انبساط اور خوشی کے چہرے کو برج جمل میں داخل ہو کر جگمگا دیا ۔ اور مناظر صورت کو انوار حقیقت کی رنگ آمیزی نے اپنی آغوش میں لے لیا (اس چیستان کا مطلب یہ ہے ، کہ ابتدائے موسم بہار میں بادشاہ شکار کھیلنے کو دیپالپور کے نواح میں آیا اور یوں وہاں کے لیل و نہار کا رنگ و روپ تبدیل ہو گیا)

اس کے مقابلے میں ملا صاحب کی زیر بحث تصنیف اٹھا کر پڑھینے ، نہ استعارہ نہ کنایہ ، نہ ابہام نہ اشکال ، گویا آپ اخبار پڑھ رہے ہیں ، کیا مجال جو طبیعت اکتائے ، فاضل مصنف کی اس تصنیف میں ایک خوبی یہ بھی ہے ، کہ وہ خواص و عوام ہر دو طبقوں کے لئے یکساں مفید ہے ، اگر اول الذکر گروہ اس کے علمی مطالب سے افسادہ حاصل کر سکتا ہے ، تو آخر الذکر جماعت کے لئے بھی اس کی دل چسپ حکایات میں استفادے کا اچھا خاصا مواد پایا جاتا ہے ۔

فاضل بدایونی کے دوسرے معاصر خواجہ نظام الدین احمد کے بارے میں مولانا آزاد دکھتے ہیں :

” عبارت صاف بر تکلف ، بر مبالغہ ، حالات کی تحقیق ، احوالات کی تنقیح ، اخبار کے فراہم کرنے میں بڑی کوشش اور دقت اٹھانا پڑی ۱۵۰ ان الفاظ کا ان سطور سے ، جو ہم بیشتر ملا صاحب کے بارے میں لکھ آئے ہیں ، مقابلہ کیجئے ، صاف معلوم ہوتا ہے ، کہ مولانا آزاد کے یہاں اس

باب میں بداؤنی کا پلڑا کہیں بھاری ہے ، ہر چند مولانا ، ملا صاحب سے چنداں خوش نہیں ، اور جہاں موقعہ پاتے ہیں ۔ مناسب اور معقول تنقید سے گریز نہیں کرتے ، لیکن مولانا کی انصاف پسندی ، سچ بات کہنے سے بھی نہیں چوکتی ۔ مولانا سے زیادہ کون جانتا ہے کہ بداؤنی فارسی زبان کے مسلم الثبوت انشا پرداز ہیں ۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں سے تیر و نشتر کا کام لیتے ہیں ۔ انداز بیان ایسا دل کش ہے ، کہ بات کانوں کے راستے دل میں اتر جاتی ہے ۔ سادگی اور روانی اس پایے کی ہے کہ مشکل سے مشکل مضمون کو آسان سے آسان الفاظ میں ادا کر کے اسے چار چاند لگا دیتے ہیں تناسخ ہندو مذہب کا اہم ستون ہے اس کے مطابق ، وہ قدامت عالم کے قائل ہیں ۔ اور ان کا عقیدہ ہے ، کہ نروان پانے کے لئے انسان کو اعمال کے مطابق کثیر التعداد جون بدلنا پڑتے ہیں ۔ چنانچہ مہاتما بدھ کا قول ہے ، کہ وہ ایک ہزار سات سو جنم دیکھ چکے ہیں ۔ ملا صاحب تناسخ کے بارے میں لکھتے ہیں :

” گروہی علیحدہ از ملاحدہ اند کہ بہ تناسخ قائل اند و میگویند کہ ہر کہ میرد روح او را بہ جسدی دیگر تعلق می گردد ، نزد ایشان ہر زادن ، مردنی و ہر مردنی زادن دیگر است ، و اینہا باز چند قسم اند ، قومی می گویند ، کہ اگر روح بعد از مفارقت بدن ، در بدن شریف دیگر حلول کرد وہم در دنیا بہ عیش و فراغت گذریند بہشت او ، ہمیں جا است و اگر در بدن کثیف فرود آمد ، و بہ محنت و مشقت گرفتار شد بدوزخ رفت

(ترجمہ)

دگمراہوں کا ایک گروہ تناسخ کا قائل ہے ، کہتے ہیں ۔ کہ جو آدمی مرتا ہے ، اس کی روح معاً دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے ۔ ان کے خیال میں ہر موت نئی زندگی اور ہر زندگی نئی موت ہے ۔ بھر ان کے کئی گروہ ہیں ۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اگر روح جسم سے علیحدگی کے بعد کسی اچھے جسم میں داخل ہوتی ہے اور دنیا میں عیش و عشرت سے زندگی گزارتی ہے تو یہی اس کی بہشت ہے۔ اور اگر کمتر درجے کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور مصائب سے دوچار ہوتی ہے، تو یہ اس کے لئے دوزخ ہو گی۔)

اسی عنوان کے تحت آگے چل کر لکھتے ہیں :

این جاشاید کسی را به خاطر رسد ، کہ بعضی اعیان از اهل عرفان نیز مثل آنچه شاکمونی (ساکیہ مونی : بدھ کا لقب) گفته گفته اند : همچو سبزه بارہا روئیدہ ام - نہ صدو ہفتاد قالب دیدہ ام پس تفاوت میان دوسخن چہ باشد ؟ وازین جاست آنکہ گفت ، مذہبی نیست ، کہ تناسخ را در آن قدمی راسخ نیست ، جواب گویم ، کہ بزرگان اہل کشف و عیان بروز را قبائل اند نہ تناسخ ، و میان تناسخ و بروز فرقی است بارز ، چہ تناسخ آن است کہ روحی از بدن مردہ جدا شود ، وہی فاصلہ در بدن جنسی کہ مستعد حیات شدہ باشد در آید و قالب اول ضایع ومہمل ماند و این معاملہ نزد تناسخیہ بہ یک ساعت بقولی نمی کشد و بروز آن است کہ روح مکملی بہ روح کاملی تجلی کند ، چنانچہ مالک و متصرف ومدبر بردر شہر وجود آن کامل ہمین مکمل شود ہی آنکہ روح آن کامل از بدن مفارقت نماید ..

(ترجمہ)

(یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے - کہ اگر کوئی شخص کہے ، کہ بعض بلند پایہ عارف مثلاً مہاتما بدھ بھی اس خیال کے موید ہیں اور کہتے ہیں : کہ میں سبزے کی طرح بارہا پیدا ہوا ہوں ، اور میں سات سو ستر جسموں میں رہ چکا ہوں ، تو دونوں گروہوں میں کیا فرق ہوا - اسی لئے لوگ کہتے ہیں ، کہ دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ، جس میں تناسخ موجود نہ ہو -

اس کا جواب یہ ہے ، کہ عارف اور بزرگان دین بروز کے قائل ہیں نہ کہ تناسخ کے اور دونوں میں واضح فرق ہے۔ تناسخ کے معنی یہ ہیں کہ ایک روح ، کسی جسم سے علیحدہ ہو کر فوراً دوسرے جسم میں جو زندگی کے لئے آمادہ ہے داخل ہو جائے۔ اور پہلا جسم بیکار ہو جائے ، بروز کا مطلب یہ ہے ، کہ ایک مکمل روح ایک کامل روح میں جلوہ گر ہو جیسے کہ کسی شہر میں کوئی فاتح یا حاکم داخل ہو کر قابض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کامل آدمی کا وجود مکمل ہو جاتا ہے اور کامل آدمی کی روح بھی بدن سے علیحدہ نہیں ہوتی)

اس عبارت میں فاضل مصنف نے تناسخ اور بروز میں فرق بیان کیا ہے ، اول الذکر کا تعلق ہندوں کے عقائد سے اور دوم کا اسلامی تصوف سے ہے/ یہ وہی بروز ہے ، جس کا ذکر قادیانیوں کی کتابوں میں بہ کثرت ملتا ہے۔ جس کی آڑ میں مرزائے قادیانی خود کو بروزی نسبی کہتے تھے ، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے ، بروز میں ایک آدمی کامل ہوتا ہے اور دوسرا مکمل ، اور چونکہ کامل آدمی کو مزید تکمیل کے لئے ایک تکمیل کنندہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے بقول ملا عبدالقادر بدایونی :

بسیاری از اولیا در زمان حیات خود نیز برکاملان بروز کردہ اند و این بدان مساند ، کہ نور چراغ ضعیف در پرتو چراغ قوی مغلوب شود ، بی آنکہ معدوم گردد و ازین جملہ اند میر سید محمود نور بخش بدخشی و امیر سید محمود جونپوری «

(ترجمہ)

(کئی ایسے اولیا ہو گزرے ہیں ، جو اپنی زندگی کے دوران میں ، کامل لوگوں کے اندر داخل ہو گئے . اس کی مثال ایسی ہے ، جیسا کہ مدہم دیرے کی روشنی زیادہ روشنی میں گم ہو جاتی ہے ۔ مثلاً سید محمود نور بخش بدخشی اور سید محمود جونپوری اسی گروہ سے تھے۔)

یہی صورت حال کشف قبور کی ہے ، اس سے مراد یہ ہے ، کہ بعض خدا رسیدہ لوگ جب بہ صدق و اخلاص کسی میت کی قبر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ، تو وہ میت جس حالت میں بھی ہوتی ہے اس صاحب دل آدمی کو اس کا علم ہو جاتا ہے ، ملا صاحب لکھتے ہیں ۲

» کشف قبور عبارت از همین است ، کہ بعد ازان کہ کسی متوجہ قبر میت شد ، و توجہ تمام بہ صدق و اخلاص بجانب او گماشت ، و مطلقاً خود را از خود خالی ساخت ، در آن زمان ہرچہ در خاطر او از احوال میت خطور کند و بر دل نشیند ، کشف است « (کشف قبور کا یہی مطلب ہے ، کہ کوئی عارف کسی قبر کی طرف متوجہ ہوتا ہے ، اور صدق و اخلاص سے اسے اپنی توجہ کا مرکز بناتا ہے ، اور یوں اپنی ذات کو بھول جاتا ہے ۔ اس حالت میں ، جو کچھ بھی اس کے دل میں اس مردے کے بارے میں وارد ہوتا ہے ، اسے کشف قبور کہتے ہیں)۔

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے ، کہ فاضل مصنف کو فارسی زبان پر زبردست عبور حاصل ہے ، اور وہ مشکل سے مشکل مضمون کو سادہ اور عام فہم الفاظ میں ادا کرنے پر پوری مہارت رکھتے ہیں ۔ چنانچہ یہ ساری کتاب تقریباً اسی انداز میں لکھی گئی ہے ، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے ، کہ مرصع اور مقفی زبان لکھنے سے عاجز تھے ، اس کتاب میں بھی کئی ایسے مقام ہیں ، جہاں ملا صاحب نے راہوار قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں ، چنانچہ خاتمے میں لکھتے ہیں :

» آورده اند ، کہ درباغی بلبلی برشاخ درختی آشیانہ داشت اتفاقاً موری ضعیف در زیر آن درخت وطن ساخته ، و از بر چند روزہ مقام و مسکنی پرداختہ ، بلبل شب و روز گرد گلستان در پرواز آمدہ و بربط نعلمات دل فریب درساز آورده ۔ مور بہ الفصال لیل و نہار مشغول گشتہ و ہزارستان در چمن باغ بہ آواز خوش غمرہ شدہ ۔ بلبل

باگل رمزی می گفت ، و باد صبا درمیانه غمزی می کرد۔ چون آن مور
ضعیف ناز گل و نیاز بلبل مشاهده می کرد ، بزبان می گفت ،
ازین قیل و قال چه کشاید کار در وقت دیگر پدید آید ، چون فصل
بهار برفت و موسم خزان در آمد۔ ناگاہ باد خزان وزیدن گرفت و
برگ درختان پریدن ، چنار را برگ زردشد ، و نفس هوا سردگشت ۔ از
کله ابر درمی ریخت ۔ و از هوا کا فور می بیخت ۔ ناگاہ بلبل درباغ آمد
نه رنگ گل دید ، نه بوئی سنبل شمید ۔

کہتے ہیں ، کہ ایک باغ میں درخت کی ایک شاخ میں بلبل کا
گھونسلہ تھا ۔ اتفاقاً ایک چیونٹی نے بھی اس کی جڑ میں بل بنا رکھا تھا ۔
اور چند روز کے لئے وہاں سکونت کر لی ۔ بلبل رات دن باغ میں اڑتا پھرتا
اور گانے بجانے میں مصروف رہتا ، اسی طرح چیونٹی بھی شب و روز اپنے
کام میں مشغول رہتی ۔ بلبل صحن باغ میں گا گا کر خود کو مہنمک رکھتا ،
پھولوں پر بیٹھ۔ کر ان سے راز و نیاز کرتا ۔ اس پر باد صبا کو چغل خوری
کا موقع مل جاتا ۔ جب چیونٹی گل و بلبل کے راز و نیاز کا مشاہدہ کرتی تو
وہ زبان حال سے کہتی کہ اس قیل و قال کا مآل جلد ہی ظاہر
ہو جائیگا ۔ جب موسم بہار ختم ہو گیا ، اور پت جڑ کے دن آ گئے ۔ تو
باد خزان کے چلنے سے درختوں کے پتے گرنے لگ گئے ۔ چنار کے پتے
بھی زرد پڑ گئے اور ہوا کے جھونکے ٹھنڈے ہو گئے ، بادل سے برف کے
گالے برسنے لگے ، اور ہوا نے کافور بکھیرنا شروع کی ۔ ناگاہ بلبل باغ میں
آیا تو نہ پھولوں میں رنگ باقی تھا اور نہ سنبل میں خوشبو تھی

مولانا آزاد ، دربار اکبری میں لکھتے ہیں ۔ کہ جب ابو الفضل اکبر نامہ
کی تحریر میں مصروف تھے ، اراکین سلطنت میں سے کسی نے ملا
صاحب سے کہا ، آج کل اکبر نامہ کی تحریر کی دھوم مچی ہے ، آپ بھی
اہل قلم ہیں ۔ اکبر نامہ کی طرز میں طبع آزمائی کیجئے ، تاکہ لوگوں کو

معلوم ہو۔ کہ اس میدان میں بھی آپ کا قلم کند نہیں ، ملا صاحب کب چونکہ والے تھے ، غنچہ سے قلمدان منگوا یا ، اور لکھنے بیٹھ گئے ، آئیے یہ نقشہ آپ بھی دیکھ لیں :

» درین سال تعمیر شہر نگر چین واقع شد . وسطری چند کہ یکی از اعیان دولت در وقت تالیف اکبر نامہ بہ فقیر فرمودہ بود ، کہ درین باب بنویسد آن را بہ جنس ایراد می نماید۔ چون مهندس کارخانہ ابداع ، اندیشہ بلند شہر یار کامگار را کہ معمار معمورہ گیتی خصوصاً بنائی مقصورہ ہند است . از آغاز فطرت اختراع آئین ایجاد فرمودہ . ہر سر منزلی و ہر گل زمینی را کہ ہوائی آن معتدل و فضائی آن فسح آیش گوارا و سوادش مسطح باشد تعمیر بخشیدہ ، محل نزول اجلال مواکب اقبال سازد ، چہ اختیار اماکن منزہ و مساکن طیہ ، بہر ابقائی صحت بدنی و اجتماعی اعتدال مزاج انسانی از جملہ ضروریہ است «

(ترجمہ)

اس سال نگرچین نامی شہر کی تعمیر شروع ہوئی ، اور وہ چند سطور جو اعیان دولت میں سے ایک عہدہ دار کی فرمائش کے جواب میں ، جو انہوں نے اکبر نامہ کی تالیف کے موقعہ پر مجھ سے کی تھی اور جو میں نے (اکبر نامہ کے تتبع میں) تحریر کی تھیں ، بجنسہ درج کرتا ہوں : جب کارخانہ ایجاد کے ریاضی دان نے ، شہر یار کامران کی فکر بلند کو (جو اس معمورہ عالم ، اور بالخصوص سر زمین ہند کو آباد کرنے والا ہے) ابتدائی آفرینش ہی سے جدت پسند اور اختراع کنندہ بنایا ہے ، اس لئے ہر ایسے مقام اور ہر سر سبز خطہ زمین کو جس کی آب و ہوا معتدل اور جس کی فضا کشادہ اور فرح بخش ہے جس کی آس پاس کی زمین ہموار ، وہاں عمارتیں کھڑی کر دی ہیں ، تاکہ بادشاہ اسے اپنی

تشریف آوری اور اپنے کو کبہ اقبال کے آنے سے مشرف کرے۔ کیونکہ بدنی صحت اور اعتدال مزاج کی حفاظت کے لئے صاف ستھرے مکانات اور پاکیزہ قیام گاہیں، ضروری اور اہم امور میں شامل ہیں۔

اصل اور نقل کا فرق واضح ہے، بلاشبہ اکبر نامہ کی تحریر کا مقام کہیں بلند ہے۔ لیکن ان سطور کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد موازنہ نہیں۔ بلکہ یہ دکھانا ہے۔ کہ ملا صاحب، اکبر نامہ کی سی مرصع نثر لکھنے پر بھی قادر تھے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسا کہ ابو الفضل سادہ نثر لکھنا چاہیں تو آپ دیکھیں گے، کہ وہ بھی اپنا معیار فضیلت قائم نہ رکھ سکیں گے، و لکل وجہۃ ہو مولیہا۔

یہاں اس امر کا ذکر بے محل نہ ہو گا، کہ ملا بدایونی کی شہرت کا تمام تر مدار ان کی شہرہ آفاق کتاب منتخب التورخ پر ہے، جو بڑی تقطیع کی تین جلدوں میں بارہا چھپ چکی ہے، اور جو اپنے عہد کی بہترین تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔ ہم نے اس مضمون میں ان کی اس تصنیف کا اس لئے ذکر نہیں کیا، کہ ملا صاحب کی وہ کوشش، اپنی فصاحت و بلاغت اور مطالب عالیہ کی بنا پر اس امر کی مستحق ہے، کہ اس کے ادبی محاسن اور مسندرجات پر بالتفصیل علیحدہ بحث کی جائے۔

اس کتاب کی اشاعت کا سہرا اکیڈمی ادبیات پاکستان، کلب روڈ لاہور کے سر ہے۔ اس وقت تک یہ ادارہ کم و بیش اڑھائی درجن کتابیں شائع کر چکا ہے۔ جن میں اس کتاب کے علاوہ بعض ایسی بیش بہا کتب بھی شامل ہیں۔ جن کی اشاعت سے پاکستانی فارسی ادب میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے (۶)۔



حوالہ جات

- (۱) دربار اکبری ، مطبوعہ لاہور ، ۱۹۲۷ ، صفحہ ۳۲۰
- (۲) انشائی فیضی بہ حوالہ دربار اکبری ، صفحہ ۳۵۵
- (۳) دربار اکبری صفحہ ۳۵۳ .
- (۴) دربار اکبری ، صفحہ ۳۹۵ .
- (۵) دربار اکبری ، صفحہ ۸۳۶
- (۶) نجات الرشید ساڑھے پانسو صفحات پر مشتمل ہے ، جسے ڈاکٹر مبین الحق صاحب نے مرتب کر کے نہایت مفید حواشی لکھے ہیں - آخر میں رجال ، اماکن اور کتب کی فہرست ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں کمی گنا اضافہ ہو گیا ہے - کتاب کی قیمت چوبیس روپے ہے ، جو ادارے کے دفتر سے مل سکتی ہے -